نظرات

(۳)

انٹرویو کے درمیان ایک صاحب آ بیٹھے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ اسلامک یوتھ موومنٹ کے نہایت سرگرم کارکن ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور ابھی چند روز ہوئے کہ ایران اور پاکستان کے دورہ سے براہ بمبئی واپس آئے ہیں، انھوں نے انٹرویو ختم ہو جانے کے بعد کہا: "مولانا! آپ نے حکومت ایران میں جن دو خرابیوں کا ذکر کیا ہے کیا وہ آج مسلمانوں میں ہر جگہ عام نہیں ہیں؟ آپ ہندوستان اور پاکستان کی مثال لے لیجئے، یہاں کی ہر جماعت اور ہر ادارہ اپنے سربراہ کو سر پر اٹھائے پھرتا ہے اور اپنے سوا کسی دوسری جماعت اور ادارہ کو ذرا نظر میں نہیں لاتا اور جب موقع ملتا ہے اسے ہدف لعن وطعن بناتا ہے، اسی لئے عالم میں ہر جگہ "اپنی ڈفلی اور اپنا راگ" کی مثل صادق آتی ہے، ان میں آپس میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور ان میں اتحاد نہیں ہے، تو مولانا! کیا آپ مسلمان جماعتوں کے اس رویہ کو "ہیرو ورشپ اور جارحیت پسندی" نہیں کہیں گے؟ اور کیا یہ سب جماعتیں تخریب کا شکار ہونے کے باعث قرآن مجید کے ارشاد کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کا مصداق نہیں ہیں" میں نے جواب میں کہا: عزیز من! آپ نے جو کچھ کہا حرف بحرف درست ہے اور اسی لئے میں کھلے دل سے اس کی بھی مذمت کرتا ہوں، ہر دو شخصوں یا ہر دو جماعتوں میں بعض چیزیں مابہ الاتفاق ہوتی ہیں اور بعض چیزیں مابہ الاختلاف ہوتی ہیں، باہمی تعاون واشتراک اور ایک مقصد عظیم کی خاطر میل ملاپ اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ مابہ الاختلاف چیزوں کو نظرانداز کیا جائے اور ساری توجہ ان چیزوں پر مرکوز رکھی جائے جو دونوں کے درمیان متفق علیہ ہیں، لیکن بدقسمتی سے یہاں معاملہ

برعکس ہے، ہر جماعت مابہ الاختلاف کو ابھار کر اپنی انفرادیت کو قائم و برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور مابہ الاتفاق سے صرف نظر کر لیتی ہے، سیاسی جماعتوں میں اگر یہ بات ہو تو چنداں حیرت انگیز نہیں ہے لیکن خالص دینی اور مذہبی جماعتوں میں یہ رقابت اور منافست پائی جائے تو یہ دین کے لئے ایک عظیم فتنہ اور ملت کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہوگی، پھر میں نے کہا: لیکن اس بات کو نہ بھولئے کہ برصغیر میں جماعتی جارحیت محض زبانی جمع خرچ ہے اور اس کے برعکس ایران میں جارحیت شمشیر دودم کی نوک سے ہے اور ان دونوں میں جو عظیم فرق ہے وہ ظاہر ہے، رہی ہیرو ورشپ کی بات! اس میں شک نہیں کہ برصغیر کی ہر جماعت اپنے سربراہ کی مدح و ثنا میں بیحد مبالغہ کرتی اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتی ہے، لیکن کسی جماعت نے اپنے بانی یا سربراہ کے نام نامی اور اسم گرامی کو کلمہ طیبہ کا جزء نہیں بنایا اور اسے پیغمبر کے پہلو میں لے جا کر نہیں بٹھایا ہے اس لئے برصغیر کی جماعتوں پر ہیرو ورشپ کا الزام سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

مسلم یوتھ موومنٹ مسلمانوں کی معاشرت اور ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کے لئے دل کی لگن اور اور خلوص سے اخبارات، کتابوں اور رسالوں کی مسلسل اشاعت، مختلف اداروں اور سوسائیٹیوں کے قیام اور گاہ گاہ چھوٹے بڑے اجتماعات کے ذریعہ دسیوں تعمیری کام تو کر ہی رہی ہے اس نے ایک نہایت اہم اور شاندار اقدام جس سے میں بیحد متاثر ہوا ہوں، یہ کیا ہے کہ ملک کے اصل باشندے یعنی افریقی لوگ ملک کی سب سے بڑی اکثریت ہیں اور اس لئے جلد یا بدیر ایک دن وہ ملک کے حکمراں ضرور ہوں گے، لیکن اس کے باوجود ان کے سماجی اور اقتصادی حالات نہایت زبوں اور قابل رحم ہیں، یہ اپنے علاقوں میں غربت و افلاس اور جہالت کا شکار ہو کر رہتے ہیں، ان کے مرد اور عورتیں دکانوں اور کارخانوں میں، لوگوں کے گھروں پر معمولی قسم کی محنت مزدوری کر کے گذر بسر کرتے ہیں، مسلمان جو جنوبی افریقہ میں کم و بیش دو سو برس سے آباد ہیں اور نہایت خوش حال اور دولتمند ہیں اسلام کی تعلیمات کے ماتحت ان کا فرض تھا کہ وہ اس زبون حال مخلوق خدا کی طرف متوجہ ہوتے، ان کے فلاح و بہبود کے ادارے قائم کرتے، ان کی تعلیم اور صحت کا اہتمام کرتے، اگر وہ ایسا کرتے تو ملک

کے آزاد ہونے کے بعد جب افریقی خود اپنے ملک کے مالک ہوتے تو اس وقت مسلمانوں کے مفادات محفوظ رہتے اور انھیں جان و مال کا کوئی خطرہ نہ ہوتا لیکن نہایت افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرا توجہ نہ کی اور اس معاملہ میں سرتاسر غفلت اور کوتاہی برتی۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ سب سے پہلے مسلم یوتھ موومنٹ نے اس طرف خاطر خواہ توجہ کی، موومنٹ کے پرجوش کارکنوں نے جن میں ڈاکٹر اور انجینئر بھی تھے اور وکیل اور پروفیسر بھی، افریقیوں کی آبادیوں کا دورہ کرکے ان لوگوں سے ربط پیدا کیا اور ان کی مشکلات اور ضرورتوں کا جائزہ لیا اور پھر ان علاقوں میں اسکول، مکتب، شفاخانے، یتیم خانے، صنعت و حرفت کے کارخانے قائم کرنے کا منصوبہ بنالیا اور کام شروع کر دیا، چنانچہ ایک اسکول کی وسیع و عریض بلڈنگ جو ڈربن سے ڈھائی تین سو میل دور افریقیوں کے ایک بڑے علاقے میں ہے۔ اس کے افتتاح کی تقریب میں میں خود بھی شریک ہوا تھا اور تقریر کی تھی، اس اسکول کے ساتھ ایک مسجد اور قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم کے لئے ایک مکتب بھی ہے' اسکول کے افتتاح کی تقریب کا منظر قابل دید تھا، سینکڑوں مسلمان مرد اور خواتین دور دراز کے علاقوں سے بڑے جوش و خروش سے آئے تھے، میں عزیزم موسیٰ پارک اور ان کی فیملی کے ساتھ یہاں پہونچا تھا، افریقی مردوں عورتوں اور بچوں کا غیر معمولی ہجوم تھا اور سب اس درجہ خوش اور مسرور تھے کہ ان کے گھر گویا عید آگئی ہے' دس بجے جلسہ کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد موومنٹ کے دو تین لیڈروں کی تقریریں ہوئیں جن میں انھوں نے تعلیم کی اہمیت اور اسکول کی ضرورت و افادیت پر روشنی ڈالی پھر بعض افریقی مسلمانوں کی نہایت پرجوش اور ولولہ انگیز تقریریں ہوئیں جن میں انھوں نے اسکول قائم کرنے پر مسلم یوتھ موومنٹ کا دلی شکریہ ادا کیا، آخر میں میری تقریر انگریزی میں ہوئی جس کا ترجمہ افریقی زبان میں ہوا، اس کے بعد جلسہ دعا پر ختم ہوگیا، اب ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا تھا سب نے نماز باجماعت ادا کی اس کے بعد دسترخوان بچھا دیئے گئے، اور خواتین نے الگ اور مردوں نے الگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد چائے کا دور چلا اور اب واپسی شروع ہوگئی، اتنے بڑے مجمع میں یہ دیکھ کر

سخت افسوس اور دکھ ہوا کہ وہاں علماء میں سے ایک بھی موجود نہ تھا، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو موومنٹ کے صدر نے بیان کیا کہ ہم نے علماء اور تبلیغی جماعت کے اصحاب کو فرداً فرداً دعوت نامہ بھیجا تھا، لیکن یہ ایک کیا، یہ حضرات دعوت کے باوجود ہمارے کسی ایک اجتماع میں بھی شریک نہیں ہوتے اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے اجتماعات میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی شریک ہوتی ہیں، حالانکہ یہ خواتین اگرچہ نقاب پوش نہیں ہوتیں لیکن ان کے سروں پر رومال بندھے ہوتے ہیں اور ڈھیلے ڈھالے لباس میں ان کا سارا جسم مستور ہوتا ہے اور پھر جلسہ گاہ میں ان کے بیٹھنے کا انتظام مردوں سے الگ ہوتا ہے، اسی طرح کھانے میں اور نماز میں مردوں اور خواتین کا انتظام جدا جدا کیا جاتا ہے۔

اب جنوبی افریقہ کی مسلم یوتھ موومنٹ کا ذکر آگیا ہے تو اتنا اور سن لیجئے کہ ۱۹۸۰ء میں جب میں وہاں گیا تھا تو اس تحریک کا عہدِ طفولیت تھا، لیکن پھر بھی بڑی فعال متحرک اور سرگرم تھی، اس کا نعرہ یا موٹو حسب ذیل تھا جس سے اس کے مقصد تاسیس کی وضاحت ہوتی ہے۔ نعرہ عربی میں ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: "تین بار اللہ اکبر کے بعد: اللہ ہمارا مقصد ہے اور رسولؐ ہمارے سردار ہیں، قرآن ہمارا دستور اور جہاد ہمارا طریق اور اللہ کے راستہ میں موت ہماری تمنا ہے، کلمۂ طیبہ، اسی پر ہم زندہ ہیں اور اسی پر ہم مریں گے اور اسی حالت میں اللہ سے ملیں گے۔ اس کے بعد تین مرتبہ نعرۂ تکبیر اور اس تحریک کے دو بازو ہیں، ایک مردوں کا اور ایک خواتین کا، اس تحریک سے وابستہ نوجوان ہر شعبۂ زندگی میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ اس کے نام بھی الگ الگ ہیں، مثلاً اسلامک مڈیکل ایسوسی ایشن، اسلامک لایرس (LAIVYERS) ایسوسی ایشن، اسلامک اکاؤنٹینٹس (ACCOUNTANTS) ایسوسی ایشن

تحریک کی دعوت پر اس کے متعدد اجتماعات کو خطاب کرنے کا موقع ملا اور اس کے علاوہ ہر شاخ کے ممبروں نے الگ الگ اپنے پیشہ سے متعلق اسلامی مباحث پر گفتگو کرنے کی غرض سے مجلسیں منعقد کیں۔

اس سلسلہ میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن نے نجی گفتگو کے علاوہ ڈربن یونیورسٹی میں مجھ کو ایک تقریر کی دعوت بھی دی جو میں نے منظور کرلی۔ تقریر کا وقت دو بجے دوپہر تھا، میں آدھ گھنٹہ پہلے وہاں پہونچا تو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ فیکلٹی آف میڈیسن کے تمام مسلمان اساتذہ، طلبار اور طالبات ظہر کی نماز کے لئے تیاریوں میں مصروف تھے، پھر جماعت کھڑی ہوئی تو مردوں اور خواتین سب نے ایک ساتھ نماز ادا کی، مگر اس طرح کہ ایک پردہ کھنچا ہوا تھا اور خواتین اس کے پیچھے تھیں۔ نماز سے فراغت کے بعد میری تقریر ان نوجوانوں کی فرمائش کے مطابق "اسلام کی ترقی میں نوجوانوں کا حصہ" کے موضوع پر شروع ہوئی جو سوا گھنٹہ کے لگ بھگ جاری رہی، میں نے یہ داستان حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شروع کی جنھوں نے نو برس کی عمر میں، جب ظہور اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کے حکم کے مطابق اپنے اعزا و اقربا کو جمع کر کے ان پر اسلام پیش کیا اور دریافت فرمایا کہ اس کام میں کون میری مدد کرے گا، سب سے پہلے فوراً کھڑے ہو کر بڑے عزم و استقلال اور ولولہ و جوش سے کہا تھا: "میں آپ کی مدد دل اور جان سے کروں گا" اور اس داستان کو ختم محمد بن قاسم پر کیا جس نے سترہ برس کی عمر میں اسلام کی افواج قاہرہ کی قیادت کر کے ۹۳ھ میں سندھ کو فتح کر کے اسے خلافت اموی کا ایک جز بنا دیا۔
اس سلسلہ میں میں نے ان نوجوانوں کا بھی ذکر کیا جو عہد نبوی، عہد خلافت راشدہ اور پھر عہد خلافت بنی امیہ میں بڑے اہم اور ذمہ دارانہ عہدوں اور منصبوں کے حامل رہے ہیں، اور جن کے کارنامے تاریخ اسلام کے روشن ابواب ہیں، طلبار اور طالبات پر اس تقریر کا بڑا اثر ہوا جس کا اظہار ان کے چہرہ بشرے اور گفتگو سے ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اساتذہ اور طلبار تقریباً سب ہی باریش اور نہایت مہذب، شائستہ اور سنجیدہ و متین تھے۔